۱۵ مئی ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۱۹

اس شمارے میں

۱۹۹۳ء

آل احمد سرور

امریکہ میں اردو

امریکہ میں ادھر ایشیا کے ممالک کا خاصا گہرا مطالعہ ہو رہا ہے متعدد یونی ورسٹیوں میں جنوبی ایشیا کی زبانوں اور تہذیبوں کے مطالعہ کے لئے مرکز قائم ہوئے ہیں چین اور جاپان، جنوبی مشرقی ایشیا، مشرق وسطی کی تہذیبوں اور زبانوں کے مرکز علیحدہ ہیں جنوبی ایشیا کی زبانوں اور تہذیبوں کے مرکز میں ہندوستان، پاکستان، نیپال اور سیلون پر تحقیق ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان پر کام کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ہندوستان کی بیشتر اہم زبانوں کی تدریس کا انتظام موجود ہے اور ہندوستانی تہذیب، تاریخ، ہندوستانی فلسفے اور جدید سیاسی اور سماجی میلانات پر پروفیسر کتابیں شائع کرتے ہیں اور طالب علم ریسرچ کرتے ہیں۔ شکاگو یونی ورسٹی، امریکہ کی مشہور اور ممتاز یونی ورسٹیوں میں ہے۔ یہاں جنوبی مشرقی ایشیا کی تہذیبوں اور زبانوں کا مرکز بھی ہے اور شعبہ بھی۔ شعبہ قائم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے کام ہو سکتا ہے۔ زبانوں میں سنسکرت، اردو، ہندی بنگالی، تامل، تیلگو، مراٹھی، پنجابی کی تدریس کا انتظام ہے، میرے زمانہ قیام میں سنسکرت، اردو، ہندی، بنگالی اور تامل کی تدریس ہو رہی تھی، سنسکرت، بنگالی، تامل میں پروفیسر موجود ہیں، سنسکرت کے پروفیسر وان بیوٹن ہیں، بنگالی کے ایڈورڈ ڈیمک اور تامل کے پروفیسر کامل زوابل اردو کے استاد چودھری محمد نعیم ہیں۔ اردو کے تین کورس ہیں۔ ایک ابتدائی، ایک درمیانی اور ایک اعلیٰ، عام طور پر وہ لوگ جو ہندوستانی تاریخ یا ہندوستانی تہذیب یا ازمنۂ وسطیٰ کے ہندوستان یا جدید ہندوستان کے کسی موضوع پر ریسرچ کرتے ہیں وہ نگراں کے مشورے سے اردو کا کورس بھی لیتے ہیں۔ زیادہ تر طلبہ ابتدائی اور درمیانی کورس لیتے ہیں مگر کچھ اعلیٰ کورس تک بھی پہنچ جاتے ہیں، اس وقت تک جو اچھے طالب علم سامنے آئے ہیں ان میں کارلو کپولا، ڈیوڈ میلی ویلڈ اور رودبرائن سلدر جیسے نوجوان ہیں، موخر الذکر غالب پر پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔ شکاگو یونی ورسٹی کے علاوہ ہارورڈ، وسکانسن، منسوٹا، کولمبیا، برکلے، کیلی فورنیا، ایری زونا میں اردو کی تدریس کا انتظام ہے، اردو یا ہندی کا علیحدہ شعبہ کہیں نہیں ہے جنوبی ایشیا کی تہذیبوں اور زبانوں کے مرکز یا شعبے میں اردو کی تعلیم کا انتظام حسب ضرورت ہو جاتا ہے، میں نے وہاں کے لوگوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دو یا تین یونی ورسٹیوں میں اردو ادب کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا جائے ہارورڈ، شکاگو اور برکلے میں اس کے امکانات ہیں۔ ایک بہت اچھی بات یہ ہے کہ ۱۹۶۱ء سے جو بھی کتاب ہندوستان یا پاکستان میں اردو میں شائع ہوتی ہے وہ امریکہ کی اٹھارہ یونی ورسٹیوں میں اور لائبریری آف کانگریس

میں موجود ہے۔ PL-480 کے تحت یہ انتظام کیا گیا ہے۔ دلی اور لاہور میں ایسے بڑے دفتر ہیں جہاں ساری کتابیں فراہم کی جاتی ہیں۔ ہر کتاب کے بیس نسخے خریدے جاتے ہیں۔ اردو کے تمام معیاری رسالے اور اخبار بھی منگائے جاتے ہیں۔ میں نے پاکستان سے شائع ہونے والی وہ ساری کتابیں شکاگو میں دیکھیں جن کا صرف نام سنا تھا اور جو پاکستانی حکومت کے موجودہ احکامات کی وجہ سے ہندوستان میں نہیں مل سکتیں۔ ان میں غالب پر کئی اچھی کتابیں ہیں۔ رسالوں میں شاید ہی کوئی اہم رسالہ ایسا ہو جو وہاں موجود نہ ہو۔ اخباروں میں الجمعیۃ، قومی آواز، جنگ، ڈان، ہماری زبان، صدق جدید سبھی آتے ہیں۔ ۱۹۶۱ء سے پہلے کی مطبوعات خاص طور سے آرڈر دیکر منگائی جاسکتی ہیں یا ان کی زیروکس یا مائیکروفلم حاصل کی جاسکتی ہیں۔ چونکہ ابھی ہر قسم کی کتابیں جمع ہوجاتی ہیں اس لئے ایک تہائی کے قریب لائبریری میں نہیں رکھی جاتیں بلکہ خارج کردی جاتی ہیں۔ انھیں بھی ہندوستان اور پاکستان سے آنے والے بڑے شوق سے لے جاتے ہیں۔

ہندوستانی زبانوں سے زیادہ تر دلچسپی ہندوستانی تہذیب اور سماج اور تاریخ سے دلچسپی کی وجہ سے ہے مگر اعلیٰ حلقوں میں ادبیات سے دلچسپی بھی پائی جاتی ہے۔ غالب کی وجہ سے اردو ادب سے دلچسپی بڑھی ہے۔ غالب کا امریکہ میں خاصا چرچا ہے۔ کئی یونیورسٹیوں میں غالب کی یاد میں خاص پروگرام ہوئے۔ ایشیا سوسائٹی کے ۱۹۶۹ء کے سالانہ اجلاس میں غالب پر ایک سیشن رکھا گیا۔ ۱۹۶۹ء میں ہڈسن ریویو نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں امریکن شعرا ایڈرین رچ (ADRIENNE RICH) اور ولیم اسٹیفرڈ (WILLIAM STAFFORD) کے غالب کی کچھ غزلوں کے ترجمے، اعجاز احمد کے تعارف کے ساتھ تھے۔ اعجاز احمد نے ان شعرا کے ساتھ کئی یونیورسٹیوں کا دورہ کیا۔ انھوں نے غالب کی غزلیں سنائیں اور ان شعرا نے اپنے ترجمے شکاگو یونیورسٹی میں میں نے غالب اور جدید ذہن پر ایک مقالہ سہ پہر کو پڑھا۔ شب میں اعجاز احمد نے ایک تقریر کی اور غالب کی غزلیں سنائیں۔ اس کے بعد ایڈرین رچ، ولیم اسٹیفرڈ، ولیم مرونٹ اور ڈیوڈ رے نے اپنے ترجمے سنائے۔ ایشیا سوسائٹی کی طرف سے ان شعرا کے علاوہ ٹامس فٹز سمنس، ڈبلیو ایس۔ مروِن، مارک اسٹرینڈ کے تراجم کتابی صورت میں عنقریب شائع ہونے والے ہیں۔ چودھری محمد نعیم اور کارلو کپولا کئی سال سے انگریزی میں "محفل" کے نام سے ایک رسالہ شائع کر رہے ہیں جس میں اردو ادب سے متعلق مضامین اور اردو کے ادیبوں اور شاعروں کے تراجم، برابر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حال میں محفل کا غالب نمبر شائع ہوا ہے جس میں رالف رسل کا ایک اچھا مضمون ہے اور رابرٹ بلائی، نارمن زرانڈ اور چودھری محمد نعیم کے غالب کے تراجم ہیں۔ ایشیا سوسائٹی داؤد رہبر کا غالب کے اردو خطوط کا ترجمہ بھی شائع کررہی ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی نے رالف رسل اور خورشید الاسلام کی غالب پر پہلی جلد شائع کردی ہے جس میں یادگار غالب سے غالب کے سوانح، دستنبو اور غالب کے خاصی تعداد میں اردو خطوط تاریخی ترتیب سے انگریزی میں منتقل کئے گئے ہیں۔ دوسری جلد میں غالب کی منتخب فارسی اور اردو شاعری کا ترجمہ ہوگا۔ ایڈرین رچ نے کئی غزل نما نظمیں لکھی ہیں جن میں غالب کو یاد کیا ہے۔ کئی امریکن شعرا سے بات ہوئی۔ وہ غالب کی روح سے ایک یگانگت محسوس کرتے ہیں۔ غالب کے بہت سے اشعار ان کے دل کے تاروں کو چھوتے ہیں۔

کناڈا اگرچہ علیحدہ ملک ہے مگر اس کا ذکر امریکہ کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ مانٹریال اور ٹورنٹو سے اردو میں دو رسالے نکلتے تھے۔ ایک بند ہوگیا، مگر صہبا ابھی جاری ہے۔ اس میں امریکہ یا کناڈا میں مقیم ہندوستانی ادیبوں کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان کے ادیبوں کے افکار بھی شائع ہوتے ہیں۔ جابجا مشاعرے ہوتے ہیں جن میں لوگ بڑے ذوق وشوق سے حصہ لیتے ہیں۔ اردو سکھانے کے لئے چودھری محمد نعیم، عبدالرحمٰن بارکر، گوپی چند نارنگ نے قابل قدر کتابیں شائع کی ہیں۔ ان کتابوں کا سلسلہ جاری ہے۔ غالب، ترقی پسند ادب، سرسید، منٹو، جیسی پر ریسرچ بھی ہورہی ہے۔ امریکہ میں اردو سے دلچسپی برابر بڑھ رہی ہے۔ ایک صاحب نے شکاگو میں مجھ سے بڑے دکھ سے کہا کہ ہوسکتا ہے ہندوستان اور پاکستان میں آج کل جو کشیدگی ہے اس کے پیش نظر ہندوستانیوں کو پاکستان کی کتابیں اور پاکستانیوں کو ہندوستان کی کتابیں صرف امریکہ میں ملیں اور انھیں ادبی کام کرنے کے لئے یہاں آنا پڑے۔ PL-480 اچھا ہو یا برا لیکن اس کے طفیل امریکہ میں ہندوستان اور پاکستان کے ادبیات کا بڑا ذخیرہ جمع ہوتا جارہا ہے۔

●

"ہماری زبان"
کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ خیال رکھئے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔ (ادارہ)

یحییٰ حسن

یوپی کے ہائر سکنڈری اسکولوں اور انٹر کالجوں میں اردو میڈیم رائج کرنے کا مسئلہ

سال گذشتہ اس کا کافی چرچا رہا کہ یوپی کے ان ہائر سکنڈری اسکولوں اور انٹر کالجوں میں، جو ایسا چاہتے ہوں، اردو کو ذریعہ تعلیم بنا دیا جائے اس سلسلہ میں دینی تعلیمی کونسل، اترپردیش کے زیر اہتمام ۱۴، ۱۵ رجون ۶۹ء کو مرادآباد میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں طے کیا گیا کہ حالیہ سرکاری گشتی کی روشنی میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے خواہشمند اسکولوں اور کالجوں کے منیجر اور پرنسپل صاحبان اس طرف فوری توجہ کریں اور نئے تعلیمی سال سے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری کارروائی عمل میں لائیں۔

بعدازاں خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر شعبۂ اردو، دلی یونیورسٹی کی جانب سے ایک مراسلہ موصول ہوا، جس میں گورنمنٹ سرکلر کی نقل بھیجی گئی تھی اور اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے خواہشمند اسکول اور کالج اپنے طلبہ کے سرپرستوں سے ایک فارم بھروا کر نئے سال سے اس تجویز پر عمل درآمد کرادیں۔

لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا سمجھ لیا گیا ہے۔ بعض اسکولوں اور کالجوں نے اس کو فوراً اختیار کرلیا۔ لیکن اکثریت نے تامل کیا اور یہ تامل حق بجانب تھا۔ اس میں شک نہیں کہ سرکار نے اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی کم از کم کاغذی حد تک پوری آزادی دے رکھی ہے۔ لیکن اس راستے میں کچھ عملی دشواریاں ایسی ہیں جن کا اطمینان بخش حل جب تک تلاش نہ کرلیا جائے اس وقت تک اس سلسلہ میں کوئی قدم نہ اٹھانا ہی دور اندیشی ہے۔ کچھ دشواریاں تو ایسی ہیں جن کا تعلق براہ راست سرکار سے ہے اور ان کا حل ہمارے قابو سے یقیناً باہر ہے۔ لیکن بعض ایسی دشواریاں ہیں جو داخلی حیثیت رکھتی ہیں اور جن کا تعلق خود ہم سے ہے اور ہم ان کا حل بہ آسانی تلاش کرسکتے ہیں۔

پہلی دشواری جس پر ہماری کوئی دسترس نہیں ہے یہ ہے کہ اردو زبان کے علاوہ دیگر مضامین۔ تاریخ، جغرافیہ، حساب یا سائنس کے مضامین کی درسی کتابیں اردو میں موجود نہیں ہیں جن کے بغیر اردو کو میڈیم بنانا ناممکن ہے۔ اردو کو میڈیم بنانے سے پہلے ضروری ہے کہ ان کتب کی تصنیف وتالیف، ترجمے اور ان کی اشاعت کا مناسب انتظام کیا جائے اور سرکار سے کہا جائے کہ ان کتابوں کو وہ نصاب میں داخل کرلے۔ اگرچہ وقتی طور پر کتابوں کی طباعت واشاعت کا انتظام کئے بغیر کام کا آغاز کرنے کی غرض سے فوری ابتدا کی جاسکتی ہے۔ اور وقتی طور پر بغیر کتابوں کے بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن نتیجہ میں یہ ایک اہم کام ہے جسے بہرصورت انجام دینا ہے جولائی ۶۹ء سے لے کر اب تک لگ بھگ دو برس میں جو جمود متعلق ہم پر طاری رہا ہے وہ کچھ زیادہ امید افزا نہیں ہے۔

دوسری دشواری جس پر ہمارا قابو نہیں ہے اور جو پہلی دشواری کے مقابلے میں اہم تر ہے، یہ ہے کہ اگر کتابوں کا مسئلہ حل ہو بھی جائے تو یہ سوال بہرحال باقی رہتا ہے کہ بورڈ کے امتحانات میں جو طلبہ اردو میں جواب لکھیں گے انھیں جانچنے والے کون لوگ ہوں گے؟ اگر وہی عام ممتحن ہوں گے جو ہندی میڈیم کی کاپیاں جانچتے ہیں تو ظاہر ہے اردو میڈیم والے طلبہ کا شدید نقصان ہوگا۔ کیونکہ عام طور پر ہندی داں اساتذہ اردو سے قطعاً واقف نہیں ہوتے۔ آزادی سے پہلے ملک کی طرف سے اردو اور ہندی کا جو امتحان ہوتا تھا اس میں سند حاصل کرنا بھی اب ضروری نہیں رہا ہے۔ اس لئے اس سے پہلے کہ کوئی اسکول یا کالج اپنے یہاں اردو میڈیم رائج کرے اس کا اطمینان کرلینا انتہائی ضروری ہے کہ اردو میڈیم والے طلبہ کی کاپیاں اردو داں ممتحنین کے پاس جانچنے کے لئے بھیجی جائیں گی۔ یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے اور اس کا حل یوپی بورڈ کے فیصلہ پر منحصر ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کے منیجر اور پرنسپل صاحبان اس معاملہ میں بالکل بے بس ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اردو میڈیم رائج کرنے سے پہلے بورڈ کے ارباب حل وعقد سے گفت وشنید کرکے اس کا پورا پورا اطمینان کرلیا جائے اور پورا اطمینان ہوجانے کے بعد کوئی قدم اٹھایا جائے۔

ان کے علاوہ کچھ داخلی دشواریاں بھی ہیں جو نسبتاً کم اہم ہیں۔ لیکن انھیں نظر انداز بہرحال نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر وہ اسکول اور کالج جو اردو میڈیم رائج کریں ہوسکتا ہے ان کی تعداد طلبہ پر یک لخت اس کا ناگوار اثر پڑے اور اردو میڈیم رائج کرنے سے وہ طلبہ جو ہندی ذریعہ تعلیم رکھتے ہیں فوراً اسکول یا کالج چھوڑ دیں یا ان میں داخلہ نہ لیں، یہ معاملہ بہرحال ایسا ہے جس کا تعلق سرکار سے نہیں ہے بلکہ اسکولوں اور کالجوں سے گذشتہ اکتوبر میں استاذی پروفیسر آل احمد سرور، صدر شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایک ملاقات میں اس موضوع پر میرا تبادلۂ خیال ہوا تھا موصوف نے مشورہ دیا تھا کہ اس کا حل یہ ہوسکتا ہے کہ ہم فی الحال ہندی اور اردو دونوں زبانوں کو بہ یک وقت میڈیم قرار دے دیں اور طلبہ کو چھوٹ دے دیں کہ وہ امتحان میں جس زبان میں چاہیں اظہار خیال کریں۔ اگرچہ درس وتدریس کی جزوی دشواریوں سے یہ حل مبرا نہیں ہے لیکن یہ ایک نیک اور مفید اور قابل عمل مشورہ ہے اور بڑی حد تک بہترین حل ہے۔

اس کے متوازی ایک اور سوال ہے اور وہ اس لئے اہم ہے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

سوم آنند

مترجم: اصغر عباس

اردو: ایک گلوگرفتہ زبان

نئی دلی کے ایک چائے خانے میں جہاں اردو کے نوجوان ادیبوں کی نشست روزانہ کا معمول ہے وہاں کوئی بھی ادب کے بارے میں نئے افکار کی جانکاری حاصل کر سکتا ہے یہ ادیب اپنی معلومات اور مغربی دانشوروں کے حوالوں کی نمود و نمائش کے ساتھ زیادہ تر مشتعل انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ ان کے پاس خیالات، نظریات اور میلانات کی کثرت ہے۔

لیکن یہ نوجوان ادیب عام طور سے ایک مسئلہ پر جو ان کے تحت الشعور میں چھپا ہوا ہے کبھی گفتگو نہیں کرتے یہ وہ مسئلہ ہے جو برسوں سے حل طلب ہے جسے یہ بڑی خوبصورتی سے نظر انداز کر جاتے ہیں گویا اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے — کیا ہندوستان میں اردو کا وجود برقرار رہے گا؟

اردو ادیبوں کو ۱۹۴۷ء سے ہی اس بربادی کا احساس ہو چکا تھا۔ تقسیم کے زمانے میں وہ لوگ جو اردو زبان و ادب کے مستقبل پر نگاہ رکھتے تھے یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ ہندوستان میں اس کی بقا مشکل ہے۔

یہ ایک غیر معمولی صورت حال تھی۔ اردو بولنے والے تمام علاقے ہندوستان میں تھے۔ لیکن پچھلے چند برسوں میں ہندی، اردو کشمکش نے اسے فرقہ وارانہ رنگ دے دیا اس لئے لوگوں کا یہ سوچنا کہ اردو کی جگہ صرف پاکستان میں ہے ایک منطقی امر ہے۔

ان بیس برسوں میں اردو رفتہ رفتہ حکومت کے محکموں، عدالتوں، درسگاہوں اور ان تمام جگہوں سے جو سیاسی اور انتظامی اختیارات کا مرکز تھیں حرف غلط کی طرح مٹا دی گئی۔ تمام تحریکیں، احتجاج، دستخطی مہمیں اور کانفرنسیں جو اردو کے حبس کو روکنے کے لئے کی گئیں بیکار ثابت ہوئیں۔ عصبیت اتنی شدید ہے کہ پنڈت نہرو کی ہمدردیاں بھی کچھ کار آمد ثابت نہ ہو سکیں۔ اس کے برخلاف یہ نتیجہ نکلا کہ اردو کے حامی امداد و سرپرستی کے لئے حکومت کی طرف دیکھنے لگے۔

اپنے سیکولر تصورات کے پیش نظر مرکزی حکومت نے ان جماعتوں کے لئے جو اردو کی ترویج و ترقی کے لئے کوشاں تھیں کثیر رقم سے معاونت کی۔ لیکن حکومت کے ذریعہ اس قسم کی مالی امداد اس زبان کے لکھنے والوں کو اس کے قارئین کی ایک بڑی تعداد مہیا نہ کر سکی اردو ادیبوں کو جو تذبذب اس وقت درپیش ہے وہ یہ ہے کہ آج درسگاہوں کی نئی نسل میں اردو زبان کے پڑھنے والے مشکل ہی سے ملیں گے تعلیمی اداروں میں اردو پر پابندی نے اس زبان کو اجنبی بنا دیا ہے اور یہاں اس کے الفاظ نوحہ خواں ہیں کہ ان کا پرسان حال کوئی نہیں۔

ان ناخوشگوار حالات کے باوجود اردو لکھنے والے مظاہروں اور ہڑتالوں سے ہمیشہ علیحدہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھیں اپنی زبان سے کوئی تعلق یا دلچسپی نہیں بلکہ سیاسی بکھیڑوں سے ناواقفیت اور ناپسندیدگی کے باعث انھوں نے خاموشی سے اس مسئلہ کا دوسرا حل تلاش کر لیا ہے۔

اس بے مستقبل کی تاریک پرچھائیوں کو دیکھتے ہوئے اردو کے کچھ ادیبوں نے انگریزی صحافت اختیار کر لی ہے مثال کے طور پر خواجہ احمد عباس نے فلموں کے ساتھ ساتھ انگریزی کی صحافت کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا ہے ایک دوسرے نوجوان ادیب ظفر پیامی جو اردو میں چند اچھی کہانیوں کے خالق ہیں زیادہ تر انگریزی اخبارات و رسائل میں لکھنے لگے ہیں انھوں نے حال ہی میں اپنی ایک گفتگو میں اقرار کیا ہے کہ انھیں بنیادی طور پر اردو سے محبت ہے لیکن صرف اردو میں لکھ کر نان نفقہ حاصل کرنا مشکل ہے دوسرے ممتاز لوگوں میں قرۃ العین حیدر بھی ہیں جو اردو میں کچھ ہی کہانیاں دینے کے بجائے زیادہ تر توجہ انگریزی کی طرف دیتی دکھائی دیتی ہیں۔

پیشہ ور لکھنے والوں کے لئے فلمی دنیا روزی حاصل کرنے کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ تقسیم کے بعد اب بھی فلم میں اردو ہندی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ لیکن اردو کے ہر لکھنے والے کو فلمی دنیا میں جگہ ملنا ممکن نہیں ایک شخص کو وہاں اتنے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں کہ پیشہ ور لکھنے والے جو اس کے مرد میدان ہیں وہ بھی اسے غنیمت شمار کرتے ہیں یا اسے معاش کا بہترین متبادل سہارا سمجھتے ہیں۔

بہرکیف فلمی دنیا میں اردو لکھنے والوں کی شہرت نے ان کے ذہن میں ایک دوسرا خیال پیدا کر دیا ہے یعنی کیوں نہ اپنی تخلیقات کو دیوناگری رسم خط میں پیش کیا جائے۔ گو یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے منشی پریم چند نے بیسویں صدی کے ربع اوّل میں اور اس کے بعد یہ طریقہ اپنایا لیکن انھوں نے تقریباً اپنی تمام کہانیاں اردو اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ اور دونوں زبانوں کے خد و خال کو برقرار رکھتے ہوئے لکھیں۔

دوسری طرف موجودہ لکھنے والوں نے اپنی تخلیقات کو دیوناگری رسم خط میں شائع کرنے کا تجربہ کیا جو بڑی حد تک کامیاب رہا آجکل مشکل ہی سے ہندی کا کوئی رسالہ ہوگا جس میں اردو ادیبوں کی تخلیقات نہ شائع ہوتی ہوں۔ ان رسالوں کے مرتبین ہندی کے حامیوں کی ناپسندیدگی کے باوجود اپنی زبان کو اردو کی

آمیزش سے دور ہی رکھنا چاہتے ہیں، اردو لکھنے والوں کی تخلیقات کو بخوشی قبول کرتے ہیں۔ یہ رجحان صرف کہانیوں تک ہی محدود نہیں، اردو شاعری کی ایک معتد بہ مقدار دیوناگری رسم خط میں شائع ہوتی ہے۔

لیکن ان تجربات کی حیرت انگیز کامیابی کے باوجود اس میدان میں اردو لکھنے والوں کی کامیابی محدود ہے جب وہ ہندی رسالوں کے لئے لکھتے ہیں تو انھیں اپنے قارئین کی محدود تعداد کا احساس رہتا ہے۔ ایک شخص اردو کے حصہ کو پڑھنے کے لئے جب ہندی رسالہ اٹھاتا ہے تو اس سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ ان تمام خیالات کو جو اس میں ہیں پوری طرح سمجھے گا اور نہ ایک زبان کی نزاکت و لطافت کو پورے طور پر دوسری زبان میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ یہ عمل لکھنے والے کے لئے مفید نہیں ہوتا لہذا وہ اپنی ذہانت و طباعی کو پورے طور پر بروئے کار نہیں لا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ اردو ادیبوں کی نوجوان نسل نے کم و بیش ہندی رسالوں میں لکھنے سے گریز کیا۔ یہ دنیا ان کے لئے اب بھی اجنبی ہے۔ ساتھ ہی یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ دیوناگری رسم خط اختیار کرنے کے بعد اردو اپنی انفرادی خصوصیات کھو دے گی۔ اسی نے میر و غالب کے ادبی میراث کے تحفظ کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اس کے علاوہ ہندی کے حامیوں کی عصبیت نے بھی انھیں کچھ متاثر کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس میدان میں اردو ادیبوں کو اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ کشن چندر، عصمت چغتائی اور راجندر سنگھ بیدی جیسے لوگ ہندی رسالوں کے قارئین میں مقبول ہوں لیکن انھیں ہندی ادیب تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ان ادیبوں کو اس کا احساس ہے کہ اپنی تمام مقبولیت کے باوجود انھیں ہندی ادب میں کوئی جگہ نہ دی جائے گی۔ اس صورت حال پر برہمی کے ساتھ تبصرہ کرتے ہوئے ایک نوجوان اردو شاعر نے کہا کہ اس کے خیال میں ہندی رسالوں میں تخلیقات شائع کرانے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ آلو بیچ کر روپیہ پیدا کیا جائے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ادیبوں میں عام طور سے شہرت و مقبولیت حاصل کرنے کا جذبہ ہوتا ہے ادبی دنیا میں اپنا مقام پیدا کرنے اور زیادہ سے زیادہ قارئین تک پہونچنے کے لئے بہت سے اردو ادیب اپنی تخلیقات پاکستان میں شائع کرانے پر مجبور ہوئے مشکل ہی سے کوئی اردو ادیب ہوگا جس نے اپنی تخلیقات کو سرحد پار رسالوں اور اخباروں میں نہ شائع کرایا ہو۔ وہ کسی مالی منفعت کے پیش نظر ایسا نہیں کرتے۔ اس لئے کہ پاکستانی اشاعتی ادارے ہندوستان میں اس کا معاوضہ نہیں دے سکتے۔ یہ محض اس خواہش کی بنا پر ہے کہ ان کی تخلیقات معیاری طور پر شائع ہوں۔ یہاں صرف مقبولیت کا مسئلہ ہے۔

لیکن اب پاکستانی حکومت نے اس پر بھی پابندی لگا دی ہے پاکستانی ڈاکخانوں کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ شائع شدہ مواد ہندوستانی پتوں پر ہرگز نہ بھیجیں اور ہندوستان سے آئے ہوئے اس قسم کے مواد کو پاکستان میں تقسیم نہ کریں۔ صاف طور پر اس کا مقصد ادیبوں کی ہمت شکنی ہے۔ لہذا بہت سے اردو کے ممتاز ادیب مجبوراً ہندوستان کے ان معمولی رسالوں اور پرچوں کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں جن کا پہلے کوئی معیار و مقام نہیں تھا۔

■

باقی صفحہ ۸ سے آگے

طلبہ کو حکومت کے سرکلر اور ہدایات کے باوجود اردو کی تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم رکھا جا رہا ہے جلسہ نے طے کیا کہ ایسے اداروں میں اردو کی تعلیم شروع کرانے کے لئے منظم جدوجہد کی جائے۔

شاخوں کی تنظیم

ریاستی انجمن کے آنریری جنرل سکریٹری جناب راحت علی خاں نے انجمن کی کارکردگی لسانی اقلیت کمشنر سے ملاقات اردو کے تحفظ اور بقا اور حکومت اور خود اردو کے حامیوں کے رول اور آئندہ کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں اپنی رپورٹ میں کہا کہ اب اردو کے نام پر محض مرثیہ پڑھنے یا ارباب حکومت سے شکوہ و شکایت کر لینے سے کام نہیں چلے گا بلکہ اردو کی ترقی اور بقا کے لئے یقین محکم کے ساتھ جدوجہد کرنی ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ ضرورت ہے کہ خود ریاستی شاخ سرگرم عمل ہو اور اس کا شاخوں سے مضبوط رشتہ قائم ہو۔

انجمن کے جوائنٹ سکریٹری جناب احمد ابراہیم علوی نے نئی شاخوں کی تشکیل پر روشنی ڈالی اور اس راہ میں حائل دشواریوں کا ذکر کیا۔ اس سلسلے میں شاخوں کی تنظیم کو زیادہ مؤثر بنانے کے متعدد طریقوں پر غور کیا گیا۔

● قومی آواز

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
منیجر

مراسلات

غالب اور اشہری

ہماری زبان کے ۲۲ اپریل ۱۹۷۰ء کے شمارہ میں جناب نثار احمد صاحب فاروقی کا مراسلہ بعنوان "غالب اور اشہری" نظر سے گزرا جس میں انھوں نے اشہری کی اس غلط بیانی کی تردید کی ہے کہ "مجھ کو دلی کی آبادی اور شاعری کی دنیا میں ایک مرزا اسد اللہ خاں غالب کا دیکھ لینا اس وقت ولی اور سودا تک سب کو دیکھ لینے کے برابر ہے۔ ۱۲۸۵ھ میں میں نے حضرت مرزا صاحب کو الہ آباد میں بابو بینی پرشاد وکیل ہائی کورٹ کے دیوان خانے میں دیکھا اور ان کی شیوا بیانیوں سے مستفید ہوا۔"

فاروقی صاحب نے اس بیان کی تردید کے لئے یہ دلیل پیش کی ہے کہ "۱۲۸۵ھ میں مرزا غالب کا بستر سے حاجتی تک جانا تو دشوار تھا وہ آخر الہ آباد میں بابو بینی پرشاد کے ہاں کیسے پہنچ گئے اور ان میں شیوہ بیانیوں کی سکت کہاں سے آگئی؟"

اور پھر اشہری کی غلط بیانی کو غلط فہمی میں تبدیل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ "دراصل اشہری بھی جھوٹے نہیں ہیں انھوں نے اسد اللہ غالب کو دیکھا تھا مگر یہ مرزا غالب دہلوی نہیں بلکہ محمد اسد اللہ غالب الہ آبادی تھے۔ بابو بینی پرشاد کے دیوان خانے میں انھیں سے مڈبھیڑ ہو گئی ہوگی۔"

فاروقی صاحب کے محولہ جملہ کا آخری حصہ قیاس آرائی پر مبنی ہے جس کی تحقیق میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اشہری کی عبارت میں دلی کی آبادی اور شاعری کا ذکر موجود ہے اس کے بعد غالب دہلوی اور غالب الہ آبادی کے مباحث میں الجھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے اس میں ابھی تحقیق کی گنجائش ہے۔ اس لئے کہ قیاس آرائی یا کتابت کی غلطی سے بعض اوقات واقعات اور تاریخیں غلط درج ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ اشہری کی "مڈبھیڑ" جس غالب سے بابو بینی پرشاد وکیل کے دیوان خانے میں ہوئی وہ غالب الہ آبادی ہی تھے اس لئے کہ مرزا غالب دہلوی کے معاصرین میں غالب الہ آبادی کے علاوہ کئی غالب اور بھی تھے جن کو وہ شہرت حاصل نہ تھی جو مرزا غالب دہلوی کو۔

فاروقی صاحب کے مراسلے میں ایک سنجیدہ تحقیقی مسئلہ زیر بحث تھا جو قیاس آرائیوں کی نذر ہو گیا مراسلہ میں جگہ جگہ قیاس آرائی سے کام لیا گیا ہے ملاحظہ کیجئے:

"صحیفہ لاہور کے غالب نمبر میں جناب اکبر علی خاں نے غالب اور بعض دوسرے شعراء کی بدیہہ گوئی کا جو واقعہ "دیوان شوکت" مطبوعہ ۱۸۷۳ء کے حوالے سے درج کیا ہے میرا قیاس ہے کہ وہاں بھی غالب الہ آبادی کو غالب دہلوی بنا دیا گیا ہے۔"

قیاس آرائی اور محض یادداشت سے کام لینے سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ مراسلہ نگار نے اس مراسلے میں جناب عبدالقوی دسنوی صاحب کی کتاب کا نام "بھوپال اور غالب" کے بجائے "غالب اور بھوپال" تحریر کیا ہے اور بغیر صفحات پر نظر ڈالے ہوئے اشہری کے بیان مندرجہ صفحہ ۹۹ کے متعلق یہ تحریر کیا ہے۔

"یہ بیان جناب عبدالقوی دسنوی نے اپنی کتاب "غالب اور بھوپال" میں بھی نقل کر دیا ہے اور اس پر شبہ وارد نہیں کیا۔"

اگر محض یادداشت پر بھروسہ نہ کر کے کتاب کی ورق گردانی کی زحمت گوارا کی گئی ہوتی تو کتاب کے صفحہ ۹۹ کے حاشیہ نمبر ۲ پر یہ عبارت مل جاتی "غالب سے ملاقات کی تاریخ محل نظر ہے" دراصل تحقیق میں کسی بیان کی تائید یا تردید قیاسات کی بنیاد پر نہیں کی جا سکتی اس کے لئے ٹھوس حقائق ضروری ہوتے ہیں۔

• حیدر عباس رضوی

انجمن کی ایک نئی کتاب

انگریزی ادب کی مختصر تاریخ

از

ڈاکٹر محمد یسین

شایع ہو گئی

کتابت و طباعت عمدہ ہے

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

انجمن کی خبریں

انجمن ترقی اردو ہند کے جلسے

۷ مئی ۱۹۷۰ء کو انجمن کے دفتر سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں انجمن ترقی اردو ہند کی ادبی مجلس، مالی مجلس، مجلس عاملہ اور مجلس عام کے جلسے ہوئے۔ ان جلسوں میں حسب ذیل حضرات نے شرکت کی۔

ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو (صدر)، پنڈت سندر لال، کرنل بشیر حسین زیدی، ڈاکٹر عابد حسین، مفتی عتیق الرحمٰن، سید سجاد ظہیر، محمد فضل الرحمٰن، پروفیسر رشید احمد صدیقی، حیات اللہ انصاری ایم۔ پی، بیگم سلطانہ حیات، شہاب الدین دسنوی، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، پروفیسر احتشام حسین، مالک رام، قاضی عدیل عباسی، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، سری نواس لاہوٹی، پروفیسر آل احمد سرور (جنرل سکریٹری)

(۱) مخدوم محی الدین، علی عباس حسینی، امتیاز علی تاج، شکیل بدایونی، خورشید احمد جامی، دانتف مراد آبادی کی وفات پر تعزیت کی قرارداد منظور کی گئی۔

۲۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے سلسلے میں انجمن نے ایک خاص کمیٹی بنائی جو مردم شماری کمشنر سے ملے گی، ریاستی شاخوں کو مردم شماری کے سلسلے میں مناسب ہدایات دے گی اور اس سلسلے میں اردو دوستوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرے گی۔ اس کمیٹی کے ممبر حسب ذیل حضرات ہوں گے۔

(۱) ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو
(۲) پنڈت آنند نرائن ملّا
(۳) ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین
(۴) قاضی محمد عدیل عباسی
(۵) ڈاکٹر راج بہادر گوڑ
(۶) حیات اللہ انصاری
(۷) پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری

کمیٹی کے کنوینر حیات اللہ انصاری ہوں گے۔
انجمن نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اس سلسلے میں ضروری اخراجات کے لئے دس ہزار تک کی رقم مخصوص کی جائے جو چندے سے جمع کی جائے۔ نیز ممبران انجمن حسب ضرورت ریاستوں کا دورہ کریں اور مرکزی دفتر مختلف اوقات میں مناسب ہدایات شاخوں کے لئے جاری کرے۔

(۳) انجمن کا ایک وفد وزیر تعلیم اور وزیر اعظم سے ملے اور انجمن کے مالی حالات سے ان کو آگاہ کرتے ہوئے گرانٹ کے مستقل کرنے اور اس میں موجودہ حالات اور ضروریات کے مطابق اضافہ کرنے پر زور دے۔ اس وفد کے اراکین حسب ذیل ہوں گے۔

(۱) پنڈت آنند نرائن ملّا (نائب صدر انجمن)
(۲) کرنل بشیر حسین زیدی
(۳) ڈاکٹر عبد العلیم
(۴) حیات اللہ انصاری
(۵) پروفیسر آل احمد سرور، جنرل سکریٹری

(۴) ادبی کمیٹی کی یہ تجویز منظور کی گئی کہ اردو دستاویس کا ایک جامع انتخاب تیار کرایا جائے اور اسے پہلے اردو رسم خط میں اور بعد میں ہندی رسم خط میں شائع کیا جائے۔

(۵) اردو گھر کی تعمیر کے سلسلے میں سکریٹری نے رپورٹ پیش کی اور یہ اطلاع دی کہ چونکہ دہلی کارپوریشن نے ابھی تک نقشے کی منظوری نہیں دی ہے اس لئے تعمیر کا کام شروع نہیں ہو سکا۔ کرنل بشیر حسین زیدی اور آرکیٹکٹ بھر دواج نے عمارت کا نیا نقشہ پیش کیا جس میں ہال پہلے سے چھوٹا رکھا گیا ہے تاکہ کارپوریشن کے اعتراضات دور ہو جائیں۔ کمیٹی نے نقشہ منظور کیا اور یہ طے کیا کہ کارپوریشن کی منظوری حاصل ہوتے ہی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے اور اگر حکومت سے امداد مل جائے تو فی الحال دو منزلیں، ورنہ ایک منزل بنا کر دفتر دہلی منتقل کر دیا جائے۔ باقی منزلیں روپیہ کی فراہمی کے بعد مکمل کی جائیں۔ پوری عمارت کی تعمیر پر آٹھ لاکھ روپیہ کے خرچ کا اندازہ کیا گیا ہے۔

(۶) آزادی کے بعد سے انجمن کی سرگرمیوں کی روداد کتابی صورت میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور جنرل سکریٹری کو ہدایت کی گئی کہ جلد سے جلد اس کا انتظام کریں۔

(۷) جنرل سکریٹری اردو تحریک کو اور فعال بنانے اور شاخوں کی تنظیم کے لئے تمام ممبروں کو ایک نوٹ بھیجیں گے جس پر ممبران اپنی رائے ظاہر کریں گے اور ایک خاص جلسے میں ان آرا پر غور کیا جائے گا۔

(۸) پروفیسر آل احمد سرور کی عدم موجودگی میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے جس طرح دفتر کی دیکھ بھال کی اور ہماری زبان اور اردو ادب کی ادارت کے فرائض انجام دئے اس پر ان کا شکریہ ادا کیا گیا۔

• پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری

انجمن ترقی اردو، برنالہ

برنالہ: گذشتہ شب انجمن ترقی اردو برنالہ کا ماہانہ اجلاس سردار بلونت سنگھ صاحب ایڈوکیٹ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جناب سورج تنویر صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو پنجاب خصوصی دعوت پر شریک اجلاس ہوئے۔ جناب مہر چند کوثر نے پچھلے اجلاس کی رپورٹ پڑھی۔ اور اپنی کارکردگی سے اراکین انجمن کو آگاہ کیا۔

جناب شکیل بدایونی صاحب اور جناب سید امتیاز علی تاج صاحب کے انتقال پرملال پر ماتمی ریزولیشن پاس کئے گئے اور مرحومین کے حق میں دعائے مغفرت نیز ان کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کیا گیا۔

• جنرل سکریٹری

ریاستی انجمن ترقی اردو کے وفد کی اقلیتی کمشنر سے ملاقات

لکھنؤ: ریاستی انجمن ترقی اردو کے ایک تین رکنی وفد نے جو راجکماری سورج کلا سرور الہ آبادی، بیگم سلطانہ حیات اور جناب راحت علی خاں پر مشتمل تھا کل شام جناب بی بھردواج اقلیت کمشنر اترپردیش سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔

وفد نے یوپی میں اردو پڑھنے والے طلبہ کی راہ میں دقتوں، اردو کی تعلیمی گرانٹ کی صحیح تقسیم اور ریاستی حکومت کے سرکلر اور احکامات پر عمل درآمد نہ ہونے کی شکایت کی ساتھ ہی یہ بھی وفد نے معلومات حاصل کرنا چاہی کہ اقلیت کمشنر کا دائرہ اختیار کیا ہے اور اقلیتوں کے کون کون مسائل اس ذیل میں آتے ہیں۔

جناب بھردواج نے کہا کہ ابھی تک اقلیت کمشنر کا دائرہ متعین نہیں ہے اور اس کی بابت ریاستی سرکار سے وضاحت چاہی گئی ہے حکومت کے جواب آنے پر اس کا اعلان کر دیا جائے گا۔ لیکن جہاں تک اردو کی شکایتوں اور حکومت کے احکامات پر نفاذ کا سوال ہے میرا ذہن ہے کہ ان شکایتوں پر دھیان دو ل۔ زیادہ بہتر ہوگا کہ شکایتیں صحیح ہوں تو ان کی جانچ میں بھی سہولت رہے گی۔

وفد نے اقلیت کمشنر کو بتایا کہ ریاستی انجمن ترقی اردو پورے صوبہ سے اس سلسلہ میں تمام شکایتیں، سرکلر اور اعداد و شمار فراہم کر رہی ہے جسے بہت جلد اقلیت کمشنر کو بھیجا جائے گا۔

• قومی آواز

ریاستی انجمن ترقی اردو اترپردیش کی سرگرمیاں

لکھنؤ: انجمن ترقی اردو اترپردیش کی مجلس عاملہ نے اردو کے تحفظ اور بقا سے متعلق جدوجہد میں سستی پیدا ہو جانے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے آج یہاں تمام محبان اردو سے پوری طرح مستعد اور سرگرم عمل ہونے کی اپیل کی تاکہ اردو کے حقوق سے متعلق مہم کو تیز تر کیا جا سکے اور مردم شماری کے موقع پر زبان کے خانہ میں اردو کا اندراج ہو سکے۔

ریاستی عاملہ نے اردو سے متعلق مہم میں تیز رفتاری لانے کا فیصلہ اپنے ایک جلسہ میں کیا جو جناب حیات اللہ انصاری ایم۔پی کی قیام گاہ پر راجکماری سورج کلا سرور الہ آبادی کی صدارت میں ہوا تھا۔

عاملہ نے اپنے جلسہ میں مردم شماری کے دوران زبان کے خانہ میں اردو کا صحیح صحیح اندراج کرانے کے سلسلے میں پوری ریاست میں مہم شروع کرنے پر خاص طور سے غور و خوض کیا اور راجکماری سورج کلا سرور الہ آبادی جناب حیات اللہ انصاری اور بیگم سلطانہ حیات پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کر دی۔ اس کمیٹی کا جلسہ دہلی میں مئی کے تیسرے ہفتہ میں ہوگا۔ بعد میں کمیٹی کے اراکین وفد کی شکل میں مرکزی حکومت کے متعلقہ افسروں سے ملاقات کر کے مردم شماری کے دوران اردو کے ساتھ پوری طرح انصاف کئے جانے پر زور دیں گے۔

یہ کمیٹی متعلقہ افسروں سے صحیح معلومات حاصل کر کے اردو کارکنوں تک پہنچائے گی۔

کتابچے کی اشاعت

عاملہ نے فیصلہ کیا کہ ریاستی انجمن ترقی اردو مردم شماری کے دوران زبان کے خانہ میں اردو کے اندراج کی اہمیت سے عوام کو واقف کرنے کے لئے ایک کتابچہ بھی شائع کرے گی یہ کتابچہ بیگم سلطانہ حیات مرتب کریں گی۔ اس کے علاوہ مردم شماری کے موقع پر حکام سے تعاون کرنے اور اردو کے صحیح اندراجات کرانے کے لئے ایک مردم شماری کمیٹی بھی بنائی گئی جس کے کنوینر بیگم سلطانہ حیات ہیں انجمن کے جنرل سکریٹری جناب راحت علی خاں، جوائنٹ سکریٹری جناب احمد ابراہیم علوی اور لکھنؤ کے ممبران مجلس عاملہ اس کے رکن ہوں گے ضرورت پیش آنے پر کنوینر کو مزید ممبران کو شامل کرنے کا بھی اختیار دیا گیا۔

تعلیمی مہم

ریاستی انجمن ترقی اردو کی عاملہ نے اردو کے سلسلے میں تعلیمی مہم کو تیز کرنے کے لئے جناب حیات اللہ انصاری کی تجویز پر ایسے اسکولوں کو منتخب کرنے کا فیصلہ کیا جن میں اردو کے خواہش مند

(باقی صفحہ ۹ پر)

اخبار و اذکار

ریاستی اور ضلعی سطح پر ہر جگہ اردو کمیٹی کے قیام کی اپیل

اردو کمیٹی بمبئی نے فیصلہ کیا تھا کہ ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں سے رابطہ پیدا کیا جائے تاکہ انھیں اردو کا ہمنوا بنایا جاسکے اور پارلیمنٹ میں اردو کے مطالبہ کے حق میں فضا ہموار کی جائے، چنانچہ اس فیصلہ کو بروئے کار لانے کے لئے ۱۵ اپریل ۸۰ء کو وگیان بھون، نئی دہلی میں پارلیمنٹ کے ممبران کا ایک جلسہ ہوا۔ جس میں مختلف سیاسی پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے ممبران پارلیمنٹ نے شرکت فرمائی اور یہ فیصلہ کیا کہ پارلیمنٹ میں ایک اردو "لابی" کی تشکیل عمل میں لائی جائے، جس کے ذمہ مندرجہ ذیل فرائض ہوں گے:۔

(۱) پارلیمنٹ کے زیادہ سے زیادہ ممبروں کو اردو کا ہمنوا بنانا۔

(۲) پارلیمنٹ میں اردو کے حقوق کا تحفظ اور نگہداشت

(۳) مختلف سیاسی جماعتوں کو اردو کے حق میں ہموار کرنا۔

اس فیصلے کی روشنی میں پارلیمنٹ کے کئی ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے۔ جو ان فیصلوں کو بروئے عمل لائے گی۔ اس کمیٹی میں علاوہ دوسرے حضرات کے شری سرجو پانڈے، ڈاکٹر میو شری بولس، اروِن چرجی، جارج فرنانڈیس، اسحٰق سنبھلی، باقر مرزا، مولانا اسعد مدنی شریک ہیں۔

اب اردو کمیٹی کے سامنے جو سب سے بڑا کام ہے وہ یہ ہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں کا اجتماع کیا جائے تاکہ اردو کے حق میں ان کا تعاون حاصل کیا جاسکے۔ یہ کام کافی وقت طلب اور مشکلات سے بھرپور ضرور ہے لیکن اس اجتماع کا منعقد ہونا ضروری ہے۔ اردو کمیٹی بمبئی کو امید ہے کہ تمام اردو دوست اس عظیم مہم میں اس کا ساتھ دیں گے۔

اردو کمیٹی بمبئی کی اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مختلف مقامات پر ریاستی اور شہری سطح پر اردو کمیٹیاں بنائی جائیں تاکہ اردو کی بقا اور تحفظ کے سلسلہ میں مرکزی اردو کمیٹی سے تعاون کرسکیں۔ دہلی میں ایک بڑی طاقتور اور باا‌ثر اردو کمیٹی بن گئی ہے، جس میں شریمتی سبھدرا جوشی اور میر مشتاق احمد شریک ہیں۔ حسن نعیم صاحب اس کے سکریٹری ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہر مقام پر ایک اردو کمیٹی وجود میں آئے، جو ریاستی اور ضلعی سطح پر مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں پر اردو کی حمایت کے لئے زور ڈال سکے اور اس طرح اردو کے حق میں ایک ہندوستان گیر سیاسی اور عوامی فضا تیار کرسکے۔

• سید محمد زیدی سکریٹری اردو کمیٹی بمبئی

یوم اقبال کے انعامی مقابلے کا نتیجہ

یوم اقبال کے سلسلے میں ادارہ فروغ اردو کا ایک انعامی مقابلہ مورخہ ۲۶ اپریل ۸۰ء کو انجمن یو۔پی اسکول کے ہال میں منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت بنگال کے مشہور و معروف شاعر جناب قیصر شمیم صاحب نے کی اور جناب مظفر حسن صاحب پروفیسر کلکتہ یونی ورسٹی، جناب محمد عباس صاحب پروفیسر شب پور دینا بندھو کالج، جناب غلام قدوس صاحب جناب محمد عباس صاحب اور جناب جمیل کاظمی صاحب بطور مہمان خصوصی مدعو تھے۔

شکیل بدایونی اور امتیاز علی تاج کے سوگ میں دو منٹ کے لئے خاموشی اختیار کرکے خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ ان کی موت کو اردو ادب کا ایک بڑا حادثہ قرار دیا گیا۔

انعامی مقابلے میں کلکتہ و ہوڑہ کے اسکولوں کے پندرہ طلبہ و طالبات نے حصہ لیا۔ تقریر اور نظم خوانی کے لئے الگ الگ تین انعامات تھے۔ جو طالب علم کامیاب ہوئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تقریر:۔

اوّل۔ سلمٰی خاتون۔ درجہ چہارم۔ انجمن یو۔پی۔ اسکول شب پور، ہوڑہ

دوئم۔ اختر حسین۔ درجہ دہم۔ سی۔ایم۔او ہائی اسکول کلکتہ۔

سوئم۔ محمد اسمٰعیل۔ درجہ ہفتم۔ ہوڑہ جونیر ہائی اسکول ہوڑہ۔

خصوصی انعامات:۔

ایس۔ایم۔ ریاض۔ درجہ ہفتم۔ محمد جان ہائر سکنڈری اسکول کلکتہ۔

نظم خوانی:۔

اوّل۔ رابعہ بانو۔ درجہ دوئم۔ انجمن یو۔پی۔ اسکول ہوڑہ

دوئم۔ محمد اقبال۔ درجہ ششم۔ ہوڑہ جونیر ہائی اسکول، ہوڑہ

سوئم۔ شیخ کوثر علی۔ درجہ ہفتم۔ مسلم ہائی اسکول ہوڑہ

بچوں کو انعامات تقسیم کرنے کے بعد آخر میں صدر نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ ادارہ فروغ اردو نے طلبہ کی ہمت افزائی اور ان کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لئے یوم اقبال کے موقع پر جو تقریب منعقد کی ہے وہ ایک نئی جدت ہے اور ان کا یہ اقدام یقیناً قابل تحسین اور قابل رشک ہے۔ • سلطان احمد سکریٹری

یوم سیماب

۲۰ر اپریل "بزم سیماب" دہلی کے تحت راجوری گارڈن نئی دہلی میں یوم سیماب منایا گیا۔ جناب سرشار ہوشیار پوری سکریٹری "بزم سیماب" نے معزز مہمانوں اور دیگر حاضرین کا استقبال کرتے ہوئے بزم کے قیام اور اس کے اغراض و مقاصد پر بالاختصار روشنی ڈالی اور بتایا کہ مولانا سیماب اکبر آبادی کسی ملک یا قوم کے نہیں بلکہ انسانیت و کائنات کے شاعر تھے انھوں نے اتنا بڑا ذخیرہ ادبی و شعری تخلیقات کا چھوڑا ہے کہ آنے والی نسلیں دیر تک ان سے استفادہ کرتی رہیں گی۔ بعد میں صدر بزم جناب ضیا فتح آبادی کی درخواست پر مہمان خصوصی جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی نے مولانا سیماب کی تصویر کی نقاب کشائی کی۔

صدر کی افتتاحی تقریر کے بعد سیماب صاحب کی شخصیت اور فنکاری سے متعلق جناب ساغر نظامی، جناب کوثر چاندپوری، جناب ابر احسنی اور جناب علی جواد زیدی نے اپنے اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کیا۔ ساغر صاحب اور ابر صاحب نے سیماب صاحب سے متعلق چند یادیں تازہ کیں اور کوثر صاحب نے بتایا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ سیماب صاحب کے بے شمار تلامذہ میں کوئی بلند پایہ شاعر نہیں بنا غلط ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ساغر نظامی صاحب کو حال ہی میں حکومت ہند نے ان کی ادبی و شعری خدمات کے صلے میں پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا ہے۔ کوثر صاحب نے سیماب صاحب کے چند مشہور اشعار کے محاسن کو بھی اجاگر کیا۔

اسی دوران میں صدر بزم نے صدر جلسہ، شعرائے کرام اور دیگر حاضرین کو اس نمائش کی طرف متوجہ کیا جس میں مولانا سیماب کی مطبوعہ تصنیفات اور ان سے متعلق تحقیقی اور رسالوں کے خصوصی نمبر رکھے گئے تھے۔ امن صاحب اور دوسرے اصحاب نے اس نمائش کی اہمیت کو سراہا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ جو کتابیں اس وقت دستیاب نہیں ہیں ان کی دوبارہ اشاعت پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور مولانا سیماب کا جو کلام ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا ہے اسے بھی شائع ہونا چاہیے۔

آخر میں ایک طرحی مشاعرہ منعقد ہوا۔ مصرع طرح تھا کہ۔

ذہن فریب خوردہ کو فرصت آگہی نہ دے

مشاعرہ کا افتتاح جناب مالک رام ماہر غالبیات نے فرمایا۔ مشاعرے میں ہندوستان کے بڑے بڑے ممتاز و نامور شعرائے کرام نے حصہ لیا۔

یہ جلسہ و مشاعرہ شام کے چھ بجے شروع ہو کر رات کے دس بجے بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

صدر بزم جناب ضیا فتح آبادی نے تمام مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر ایک سووینیر تقسیم کیا گیا جس میں خاص اہمیت سیماب صاحب کے تقریباً دو سو منتخب اشعار کی ہے۔ اس میں مولانا سیماب کی مختصر روداد حیات، ان کی شعری تصنیفات کی فہرست اور ان کے ہندوستان میں موجود شاگردوں کے نام انگریزی میں دئے گئے ہیں۔

• اندر سروپ دت نادان

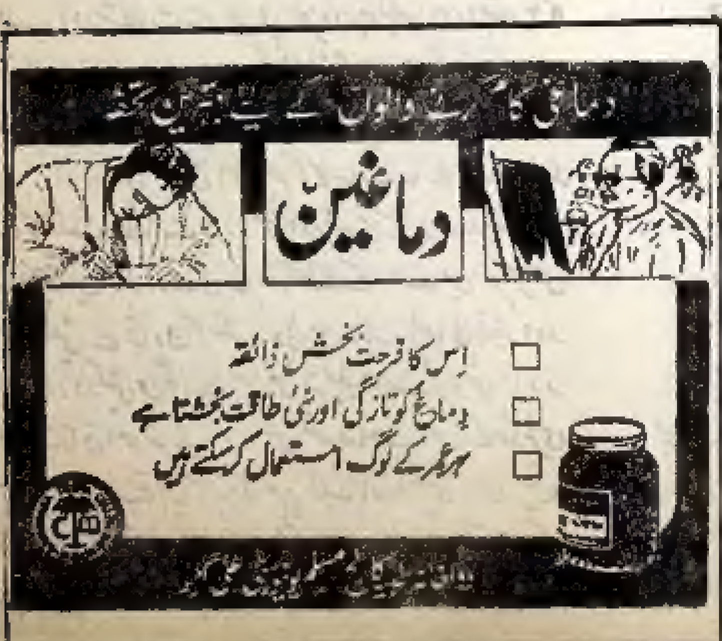
ایک ادبی نشست

پچھلے دنوں دلی رائٹرز ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک ادبی جلسے کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا۔ جلسے کا مقصد جناب کرشن موہن کو ان کے نئے مجموعۂ کلام کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرنا تھا۔ یہ مجموعہ ہندی رسم الخط میں "پیاس میری کلپنا کی" کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔

جلسے کی صدارت مشہور مراٹھی ادیب جناب پربھاکر ماچوے نے کی۔ مقررین میں بالترتیب پریم ناتھ در، گوپی ناتھ امن، گوپال متل، سریندر پرکاش، محمود ہاشمی، رفعت سروش، پرکاش پنڈت اور صدر جلسہ شری پربھاکر ماچوے کے نام شامل تھے۔

مقررین نے کرشن موہن کی شاعری کے تجرباتی پہلوؤں پر خاص زور دیا اور ان کے ہاں اردو، ہندی الفاظ کا جو امتزاج پایا جاتا ہے اس کے امکانات پر بھی روشنی ڈالی۔ جلسے کے اختتام پر حاضرین کی چائے سے تواضع کی گئی۔

• پریم گوپال متل



ڈاکٹر اسلام سندیلوی کو مبارکباد

حلقۂ ادب گورکھپور کی ایک خصوصی نشست جناب نور گورکھپوری صدر ادارہ کے دولتکدہ پر ہوئی جس میں ڈاکٹر اسلام سندیلوی لکچرر گورکھپور یونی ورسٹی کو ان کی تصنیف "اردو شاعری میں منظر نگاری" پر گورنمنٹ کی جانب سے مبلغ آٹھ سو روپیہ کا انعام ملنے پر مبارکباد پیش کی گئی۔ جناب صدر نے ڈاکٹر اسلام سندیلوی کے حلقۂ ادب کے ساتھ تعاون و تعلق کو سراہتے ہوئے مبارکباد پیش کی۔

صدر کی تقریر کے جواب میں ڈاکٹر اسلام نے حلقۂ ادب کی پچیس سالہ ادبی خدمات کو سراہا اور اپنے قیمتی تعاون کا وعدہ فرمایا۔ آخر میں شعری دور شروع ہوا جس میں ممتاز شعرائے کرام نے اپنے کلام سے محظوظ کیا۔

• شہاب وارثی ناظم اعلیٰ

اردو ایسوسی ایشن آندھرا پردیش سکریٹریٹ کی جانب سے

جناب رشید قریشی کا خیر مقدم

حیدرآباد:۔ اردو ایسوسی ایشن آندھرا پردیش سکریٹریٹ کے زیر اہتمام ۹ اپریل کی شام کمیٹی ہال دفاتر معتمدین میں ایک تہنیتی تقریب منعقد ہوئی جس میں اردو کے ممتاز ادیب و طنز و مزاح نگار جناب رشید قریشی کو ان کی تصنیف "غالب" پر وزیر تعلیم حکومت ہند کی جانب سے اعزاز دئے جانے پر مبارکباد پیش کی گئی، اس تقریب کی صدارت ایسوسی ایشن کے صدر جناب بھارت چند کھنہ آئی۔اے۔ایس نے کی اور ایسوسی ایشن کے سرپرست جناب ایس۔اے۔قادر۔ ای۔اے۔ایس اڈیشنل چیف سکریٹری نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی جناب ایس۔اے۔قادر صاحب اڈیشنل چیف سکریٹری نے دفاتر معتمدین میں اس اردو ایسوسی ایشن کے قیام کو ایک فال نیک قرار دیا اور فرمایا کہ دفاتر معتمدین میں اردو بولنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے اور یہ ایسوسی ایشن یقیناً ان کے ادبی اور تہذیبی تقاضوں کی تکمیل کرے گی۔

جناب رشید قریشی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے جناب ایس۔اے۔قادر نے فرمایا کہ ان کا یہ اعزاز نہ صرف ان کے لئے اور اردو ایسوسی ایشن کے لئے بلکہ سارے ادب دوستوں کے لئے عزو افتخار کا باعث ہے۔ جناب بھارت چند کھنہ نے اپنی تقریر میں جناب رشید قریشی کی پچیس سالہ ادبی زندگی اور ان کی ادبی کاوشوں کا تذکرہ کیا۔

• صلاح الدین

صفحہ ۱۲ سے آگے

دل وہ معصوم کہ ہر شب کو کہانی مانگے
عقل ہر صبح کہانی میں معانی مانگے
(آل احمد سرور)

اب اسے کیا کیا جائے کہ ہمارا عہد کہانیوں سے سرشار راتوں سے گذر کر روشنی میں نمایاں ہوئی اس صبح تک پہونچ چکا ہے جو معانی کی تلاش میں سرگرداں ہے یہ ہمیں صفحی نمبر بھی اسی تلاش کا اشاریہ ہے۔

صفحہ ۳ سے آگے

کہ اس کا اظہار لفظوں میں کرنا بڑا مشکل ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو مدارس اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے والے ہیں وہ سب کے سب ایک ساتھ ایسا کریں۔ کیونکہ اگر کسی شہر میں ایک ادارے نے ایسا کیا اور دوسروں نے نہ کیا تو ہو سکتا ہے کہ کرنے والے نظروں میں کھٹکنے والے بن جائیں اور کسی وقت نقصان کی زد میں آجائیں اور نہ کرنے والے فائدہ میں رہیں۔ لیکن اگر سب نے ایک ساتھ ایسا کیا تو مخالف حالات میں بھی "مرگ انبوہ" کے مترادف ہوگا اور خدا نخواستہ نقصان ہوا بھی جس کے امکانات بظاہر بہت کم ہیں، تو کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔

یوپی میں اردو میڈیم رائج کرنے کی جتنی اشد ضرورت ہے اتنے ہی قوی اس کے لئے امکانات بھی پائے جاتے ہیں۔ اور سرکار نے اس سلسلہ میں جو وعدے کئے ہیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی بڑی گنجائش ہے۔ اس سلسلہ میں دینی کانفرنس نے جو آواز اٹھائی تھی اس کے لئے کانفرنس کے ارباب حل و عقد ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے وہ آواز اب صدا بہ صحرا بن کر رہ گئی ہے اور ہمیں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ایک بات بہرحال طے ہے اور وہ یہ کہ کام کسی ایک زو ایک تعلیمی ادارے یا ایک شہر یا انجمن کے بس کا نہیں ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ اسے ریاستی سطح پر سوچا جائے اور متحدہ کوشش کی جائے۔ مناسب ہوگا کہ انجمن ترقی اردو (مرکزی) یا اس کی ریاستی شاخ (لکھنؤ) اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے۔ انجمن کی جانب سے تعطیلات گرما میں کسی صدر مقام پر ایک اجتماع منعقد کیا جائے جس میں تمام اسکولوں اور کالجوں کے منیجر اور پرنسپل صاحبان کو شرکت کی دعوت دی جائے اور اس میں ان تمام مشکلات کو پیش نظر رکھ کر کوئی ٹھوس لائحہ عمل مرتب کیا جائے، تاکہ آئندہ تعلیمی سال کے آغاز سے اسکولوں اور کالجوں میں بہ آسانی اردو کو ذریعہ تعلیم اور امتحانوں میں ذریعہ اظہار خیال بنایا جا سکے۔

تبصرہ

ڈاکٹر شمیم حنفی

رسالہ: صہبا (عصری شاعری نمبر)
مدیر: محمد حفیظ الکبیر قریشی
فی پرچہ: ۵۰ سنٹ، سالانہ قیمت تین ڈالر
پتہ: 59 HOLBORNE AVE.
TORONTO 13, ONT.
(CANADA)

معاصر ادب کی سب سے دلچسپ اور آسان تعریف یہ ہے کہ ہمارے عہد میں شعر و ادب کے نام پر جو کچھ بھی لکھا جا رہا ہے معاصر ہے چنانچہ اس سے بحث نہیں کہ اس کے رنگ و آہنگ میں عصری زندگی کی حقیقی عکاسی بھی ملتی ہے یا نہیں۔ اسی اصول کے پیش نظر بعض لوگوں کے نزدیک وہ تمام تخلیقی کاوشیں بھی عصری ادب کے ضمن میں آتی ہیں جو فکری ارتقا کی رفتار سے پریشان اور پشیمان، تھکی ماندی، کاروانِ وقت کے غبار میں لپٹی ہوئی نظر آتی ہیں اور ان پیش پا افتادہ تصورات کو عصری زندگی کے سر منڈھنے پر بضد ہیں جن کے آئینے دھندلا چکے ہیں۔ مدیر نے "ہماری عصری شاعری" کے زیر عنوان جو باتیں کہی ہیں ان میں واضح طور پر متذکرہ مسئلہ کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں، مثلاً:-

"پچھلی نسل نے کسی طرح اپنی غفلت سے نئی نسل کے ذہنی اور جذباتی رویوں کو نظر انداز کر کے ایک دوسرے کے مابین ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی کہ وہ ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے قابل بھی نہیں رہے۔"

"ان کے (نئی نسل کے) اس اضطراب اور کرب میں ایک بیدار بین الاقوامی شعور، ایک پیچیدہ تر معاشرہ کی نفسیاتی، مادی اور جذباتی کشاکش کا حسیاتی ادراک بھی شامل ہو گیا ہے اسی لئے اس کا اظہار بھی ایک نئے آہنگ، کچھ نیم واضح، نیم مبہم اور نسبتاً پیچیدہ ہیئت اور فارم میں ہوتا ہے۔"

"وہ لوگ جو نئے ادب کو اپنے لئے اجنبی پاتے ہیں در اصل وہ خود اپنے عصر کے لئے اجنبی ہوتے ہیں۔"

ہماری ادبی روایت کا یہ پہلو افسوسناک ہے کہ ایک زمانے میں ہمارے شاعر اور ادیب اپنے آپ کو فریب دیتے رہے اور ایسی باتیں کرتے رہے جن کا ان کی اپنی زندگی کے حقیقی تجربوں سے کوئی رشتہ نہیں تھا، پھر شعر و ادب کے قارئین اور سامعین کو فریب دینے کا زمانہ آیا اور فنکار کا مخاطب فرد کے بجائے چونکہ ہجوم و انبوہ سے ہونے لگا اس لئے قبولیت عام کی خاطر لوگوں کو تلخ اور بد وضع لیکن ناگزیر حقیقتوں سے الگ لے جا کر ایسے خوابوں سے دو چار کیا گیا جو بہت جلد منتشر ہو گئے۔ اس طرز عمل نے عام ادبی مذاق کو اتنا گمراہ کر دیا کہ وہ شعرا جو حقیقت کو حقیقت کی طرح دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کرتے ہیں انھیں ہمارے "معاصر اجنبی" قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کیونکہ اس طرح ان کے اپنے وجود کی نفی کا سوال آ جاتا ہے۔ سرور صاحب نے کسی موقعہ پر بڑی معنی خیز بات کہی تھی کہ بغیر سوچے سمجھے عقیدے کے مقابلے میں سوچی سمجھی بے اطمینانی زیادہ قابل قدر ہے مصیبت یہ ہے کہ یہ رویہ اس جرأت کا متقاضی ہوتا ہے جو دوسروں کو آئینہ دکھانے سے پہلے آپ اپنی لبادہ کو سمجھنے کی طالب ہوتی ہے۔

اس نمبر میں مدیر کے ایک مضمون کے علاوہ ہند و پاک کے اکتیس شعرا کی نظمیں، غزلیں اور اشعار شامل ہیں۔ کوئی بھی انتخاب ہر لحاظ سے نہ تو مکمل ہوتا ہے اور نہ فیصلہ کن اسی لئے زیر تبصرہ نمبر میں بھی بعض تخلیقات کی شمولیت بظاہر دور از کار نظر آتی ہے۔ خوبی یہ ہے کہ مدیر نے بعض مستثنیات سے قطع نظر انتخاب کے معاملے میں شخصیت کے بجائے ان کے نتائج افکار و اظہار کی جانب توجہ کی ہے۔ اسی لئے اس انتخاب میں آل احمد سرور، ن۔م۔ راشد، میرا جی، اختر الایمان، مجید امجد، خلیب الرحمن، ناصر کاظمی، خلیل الرحمن اعظمی، بلراج کومل، وحید اختر، شہریار، عمیق حنفی، قاضی سلیم، سلیمان اریب، عزیز قیسی، محمد علوی، عادل منصوری، شہزاد احمد، منیر نیازی اور دوسرے متعدد نوعمر اور پختہ کار شعرا ایک ساتھ نظر آتے ہیں، جن کی عمریں مختلف ہیں، زبان و بیان اور فکر کے خطوط مختلف ہیں لیکن بنیادی رویے میں وہ مماثلت نظر آتی ہے جو تخلیقی عمل کو اظہار ذات کا وسیلہ سمجھنے اور فن کی حرمت کو ہر مصنوعی جبر اور بیرونی تسلط سے آزاد رکھنے کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اسی انتخاب کا ایک کا ایک شعر ہے:

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا
REGD. NO. L.922 فون نمبر ۲۹ R. NO. 2166/57